امام غزالیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ

تناظر اور تقابل

غزالی کی شخصیت اسلام میں سب سے زیادہ ممتاز ہے۔ ان کی تعلیم ان کی شخصیت کی تصویر ہے۔ انہوں نے مذہب کے اصل مسئلے کی تہہ تک اپنے ہم عصر فلسفیوں سے زیادہ پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ چونکہ ان کے پیشرو فلسفی یونانیوں کی طرح سے عقل پرست تھے اس لئے وہ مذہب کی تعلیم کو محض تخیل یا شارع کی من گھڑت سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک مذہب یا تو آنکھ بند کر کے اطاعت کرنے کا نام تھا یا ایک طرح کے علم کا جو ادنیٰ درجے کی حقیقت کا حامل تھا۔ بہ خلاف اس کے غزالی مذہب کو انسان کی قلبی واردات پر مبنی سمجھتے ہیں۔ وہ ان کے نزدیک حکمت اور شرع دونوں سے برتر ہے اور اصل میں ایک روحانی کیف ہے"۔(۱)

مذہب کو صرف بحث وتمحیص اور گفتگو کا موضوع بنانے کے بجائے امام غزالیؒ اس کو ایک روحانی حقیقت کا نام دیتے ہیں اور اس روحانیت کی دریافت کو مذہبی تجربہ یا Religious Experience کا مرہون منت سمجھتے ہیں۔

> "مجھ پر کھل گیا کہ خاص الخاص باتیں ان کے طریقے کی وہ ہیں جو سیکھنے سے نہیں آسکتی ہیں بلکہ وہ درجہ ذوق وحال وتبدیل صفات سے پیدا ہوتی ہیں۔ غرض مجھے یقین ہوگیا کہ صوفیہ صاحب حال ہوتے ہیں نہ کہ صاحب قال اور جو کچھ طریق تعلیم سے حاصل کرنا ممکن تھا وہ میں نے سب حاصل کرلیا اور بجز اس چیز کے جو تعلیم اور تلقین سے حاصل نہیں ہوسکتی، بلکہ ذوق اور سلوک سے

حاصل ہو سکتی ہے اور کچھ سیکھنا باقی نہ رہا''۔ (۲)

غزالی اپنے زمانے کی دینی تحریکوں پر نظر ڈالتے ہیں تو انہیں چار چیزیں نظر آتی ہیں۔ علماء دین کا علم کلام، صوفیوں کا علم باطن، فیثا غورثی عوام پسند فلسفہ اور اشراقی ارسطا طالیسیت۔ علم کلام جس بات کو ثابت کرنا چاہتا ہے۔ وہی غزالی کا بھی عقیدہ ہے البتہ متکلمین کی دلیلیں انہیں کمزور اور ان کے اکثر اقوال محل تامل معلوم ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ قلبی تعلق انہیں صوفیوں کے علم باطن سے ہے اور یہی بنیاد ہے ان کے عظیم الشان کارنامے کی کہ انہوں نے مذہبی عقیدے کا دارومدار شخصیت پر رکھا۔ چنانچہ جس چیز کو متکلمین معقولات سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اسے غزالی باطنی واردات کی حیثیت سے بلا تامل قبول کر لیتے ہیں۔ عوام پسند فلسفے سے بھی انہوں نے کچھ فائدہ اٹھایا ہے۔ یعنی ریاضی کے فن سے جسے وہ یقینی علم قرار دیتے ہیں اور اس کے فلکیاتی نتائج سے طبیعیات کو وہ صرف اس حد تک مانتے ہیں جہاں تک اس میں عقائد کی مخالفت نہ ہو۔ لیکن ارسطو کا فلسفہ جس حیثیت سے کہ فارابی اور ابن سینا نے اس کی تعلیم دی تھی، انہیں اسلام کا دشمن نظر آتا ہے اور اس سے وہ تمام اسلامی مذاہب سے یعنی سواد اعظم کے نقطہ نظر سے جنگ کرنا چاہتے ہیں اور وہ بھی خود ارسطو کے ہتھیار یعنی منطق سے کیوں کہ منطق کے اصول بھی ان کے نزدیک اسی قدر مستحکم ہیں جتنے ریاضی کے مسائل''۔ (۳) غزالیؒ نے اگرچہ یونانی فلسفے میں طبیعیات، منطق وغیرہ کو بے ضرر قرار دیا ہے مگر مابعد الطبیعیات کے بارے میں بہت سخت لب و لہجہ اختیار کیا ہے اور یہ دراصل اسی مابعد الطبیعیات کے خلاف غزالی کی علمی اور کلامی جنگ ہے، جس نے امام صاحب کو عظیم اسلامی مفکر بنا دیا ہے۔ حالانکہ یہ جنگ بھی وہ یونانی فلسفے کی ایک شاخ یعنی منطق کے ذریعے سے ہی لڑنا چاہتے تھے اور منطق کے بارے میں غزالی کا خیال تھا کہ فقہ اور دینیات میں اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ حالانکہ امام ابن تیمیہؒ نے فلسفے کے دوسرے علوم کے ساتھ ساتھ منطق کو بھی اپنی سخت ترین تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور نقض المنطق اور الرد علی المنطقیین دونوں کتابوں میں غزالی کو منطق کے ساتھ اس غیر معمولی انہماک کی وجہ سے بہت زیادہ متہم کیا ہے۔ دوبوئر نے بڑی اہم بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ غزالی کی دینیات فلسفیانہ غور و فکر کے اثر سے خالی نہیں ہے۔ انہوں نے یورپ کے آبائے کلیسا کی طرح خواہ جان

کر یا بے جانے ہوئے بہت سے فلسفیانہ عناصر اپنے یہاں داخل کر لئے ہیں۔ اسی لئے مغرب کے مسلمان عرصے تک ان کی دینیات کو بدعت کہہ کر ان پر کفر کا الزام لگاتے رہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان کی جو تعلیم خدا، طبیعت اور روح انسانی کے متعلق ہے اس میں ایسے عناصر موجود ہیں جو قدیم اسلام میں نہ تھے اور جو کچھ تو مسیح اور یہودی فلسفیوں کے اور کچھ عہد متوسط کے مسلم حکماء کے واسطے سے، عموی فلسفے سے اخذ کئے گئے ہیں..."۔(۴) حقیقت یہ ہے کہ غزالیؒ نے فلسفہ کا اس انہماک اور یک سوئی کے ساتھ مطالعہ کیا تھا کہ ہزار کاوشوں کے باوجود وہ اس کے اثرات سے اپنے آپ کو آزاد نہ کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ امام غزالیؒ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ابو علی سینا کی کتاب الشفاء نے ان کو بیمار کر دیا اور بعض لوگوں نے غزالیؒ کے اضطراب اور بے چینی کے دور کو ان کے فلسفیانہ پیچ و تاب کا حاصل قرار دیا ہے اور ان کے ایک شاگرد نے لکھا ہے کہ امام غزالیؒ فلسفے کے باطن میں داخل ہو گئے۔ چاہتے رہے آخر میں اس سے نکلنا مگر نکل نہ سکے"۔

غزالی ہر جگہ تجربے اور مشاہدے پر زور دیتے ہیں۔ متکلمین کے مقابلے میں بھی اور فلسفیوں کے مقابلے میں بھی۔ عموی تصورات کی مدد سے یہ لوگ عالم محسوسات کی کثرت کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ مثلاً اشیاء کی محسوس صفات اور ستاروں کے شمار کا علم عین مشاہدے کے ذریعہ سے ہوتا ہے نہ کہ تصورات محض سے۔ اس سے بھی کم یہ تصورات ہمارے باطن میں نشیب و فراز کا احصاء کر سکتے ہیں۔ عالم کے استدلالی فہم سے وہ چیز ہمیشہ پوشیدہ رہتی ہے جسے عارف وجدان کے ذریعے معلوم کر لیتا ہے۔ بہت کم لوگ علم کی اس بلندی پر پہنچتے ہیں جہاں انہیں انبیاء اور مرسلین پہنچا دیتے ہیں۔ چنانچہ ادنیٰ درجے کی عقل رکھنے والوں کا فرض ہے کہ وہ ان کی پیروی کریں۔ (۵) غرض غزالی کو جو ماحول پسند آیا وہ صوفیہ کا ماحول تھا۔ وہ صرف ان ہی کے علم و عمل سے متاثر تھے۔ غزالی کو صوفیہ کا دامن عمل دنیا طلبی کے داغ دھبوں سے پاک نظر آیا۔ اس لئے ان کے مسلک تصوف پر بھروسہ کرنا اور ان کے جادہ عمل پر گامزن ہونا انہوں نے اختیار کیا۔ (۶)

غزالی کی تمکین اس دنیا کو خاطر میں نہیں لاتی تھی۔ لیکن یہ تمکین گہری حقیقت رکھتی تھی۔ ایک بار بیماری کی حالت میں انہوں نے چشم باطن سے اس خدمت کو دیکھ لیا جس کے لئے انہیں

خدا نے پیدا کیا تھا۔ انہیں القاء ہوا کہ خلوت میں صوفیانہ ریاضت کے ذریعے سے اس کی تیاری کرو تا کہ آگے چل کر مذہبی سیاسی مصلح کی حیثیت سے ظہور کر سکو۔ (۷)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

''اس کا تمام تر طریقہ یہ ہے کہ نفس جس چیز کی بھی خواہش کرے اور جدھر بھی مائل ہو سب میں اس کی مخالف روش اختیار کی جائے''۔ (۸)

اسی طرح تکبر اور غرور نفس کو توڑنے کے لئے انہوں نے بھیک مانگنے کا علاج تجویز کیا ہے تاکہ عزت نفس کا مادہ خاک میں مل جائے۔

لکھتے ہیں:

''نفس کی عزت اور بڑائی اسے ذلیل کئے بغیر نہیں ٹوٹ سکتی اور بھیک مانگنے سے بڑھ کر ذلت اور پستی کی بات کوئی نہیں ہو سکتی''۔ (۹)

امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ کچھ وقت تک بھیک مانگنے کا عمل جاری رکھا جائے تا کہ تکبر اور غرور نفس کا نام ونشان نہ رہے۔ (احیاء علوم، ص ۲، جلد سوم)

غرض خودداری اور عزت نفس کو خاک میں ملانے کے تمام ممکنہ طریقے اپنائے جاسکتے ہیں شرط صرف یہ ہے کہ علاج کارگر ہو اور حب جاہ و ریاست سے نجات دلانے میں مددگار ثابت ہو۔ (۱۰)

امام غزالیؒ کی ہمہ گیر شخصیت کا ایک عمومی تعارف دیتے ہوئے مشہور مستشرق ڈیبور لکھتا ہے اس پورے نظام فلسفہ کا جو مشرق میں یونانی حکمت کی بنیاد پر قائم ہوا گہرا اور کلی مطالعہ کرنے کے بعد اسے رد کرنے کی کوشش غالباً غزالیؒ سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ جس کام کو غزالی نے ہاتھ میں لیا تھا اس کا ایک ایجابی پہلو بھی تھا۔ اسلام میں علاوہ علم الکلام کے جس کا مقصد عقائد کی توجیہہ اور انہیں عقل سے مطابقت دینا تھا، تصوف بھی موجود تھا جسے از عانی عقیدے کے باطنی اور احساسی پہلو سے سروکار تھا۔ اس لئے اس سے بحث نہ تھی کہ عقائد کے معنی سمجھائے یا انہیں دلائل سے ثابت کرے بلکہ ان کا روحانی اور وجدانی تجربہ کرنا چاہتا تھا...''۔ (۱۱)

دی بوائر کے نزدیک یورپ میں غزالی کو جو کچھ بھی فضیلت حاصل ہے وہ فلسفہ کے علوم پر

تنقید ہی کی بنا ہے اور تاریخ فلسفہ میں۔ چنانچہ امام غزالیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا خاص موضوع علمیات اسلام کی ایک ایسی تشریح و تعبیر ہے، جس سے اسلام کی عظمت ظاہر ہونے کے ساتھ ساتھ مخالفین اسلام کے اعتراضات کا کافی و شافی جواب بھی سامنے آ جاتا ہے اس لئے ہم ان دونوں بزرگوں کے ان خیالات کا خلاصہ پیش کریں گے جو انہوں نے نبوت کی حقیقت کو ذہن نشین کرانے کے لئے فلسفیانہ دلائل و براہین کے بل بوتے پر ظاہر کئے ہیں۔ امام غزالی نے معارج القدس اور شاہ ولی اللہ نے حجتہ اللہ البالغہ میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے۔ "چونکہ یہ دونوں بزرگ تصوف فلسفہ اور نقلیات تینوں کوچوں سے باخبر ہیں اس لئے یہ جو کچھ بتائیں گے اس میں کچھ کچھ ذاتی ذوق و مشاہدہ کا حصہ بھی شامل ہوگا"۔ (۱۲)

امام صاحب فرماتے ہیں:

"نبوت انسانیت کے رتبہ سے بالاتر ہے، جس طرح انسانیت حیوانیت سے بالاتر ہے، وہ عطیہ الٰہی اور موہب ربانی ہے، سعی و محنت اور کسب و تلاش سے نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ اعلم حیث یجعل رسلتہ۔ (انعام-۱۵) "اللہ بہتر جانتا ہے کہ جہاں وہ اپنی پیامبری کا منصب بنائے"۔ وکذلک او حینا الیک روحا من امرنا ما کنت تدری ما الکتب ولا الایمان ولکن جعلناہ نورا نہدی بہ من نشاء من عبادنا۔ (شوریٰ-۵) "اور اس طرح ہم نے تیرے پاس اپنے حکم سے ایک روح بھیجی تو پہلے نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے لیکن اس کو ہم نے ایک نور بنایا ہے، جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں راہ بتائیں"۔

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء. (جمعہ:۱)

ایک صاحب غور و فکر اور اہل نظر فلسفی کی حیثیت سے ان کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ (۱۳)

جس طرح غزالی نے بہت سارے دوسرے مسلمان اور غیر مسلم فلاسفہ اور مفکرین کو متاثر

کیا ہے اسی طرح شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو بھی بڑی حد تک متاثر کیا ہے کیونکہ غزالیؒ سے ہی شاہ صاحب نے اسلام کے مختلف پہلوؤں کی عقلی تعبیر و تعریف کا ہنر اخذ کیا۔ (۱۴)

غزالی کے علوم فلسفہ سے شغف کا محرک بقول دو بوئر:

''خالص ذوق علم نہ تھا بلکہ عقلی سلوک کو حل کرنے کی تمنا جو ان کے دل میں بسی ہوئی تھی ان کا مقصود نہ تو آفرینش عالم کا سراغ لگانا تھا اور نہ اپنی قوت خیال کی ماہیت معلوم کرنا، بلکہ اطمینانِ قلب اور معرفت الٰہی حاصل کرنا تھا''۔ (۱۵)

دوسری بات یہ ہے کہ امام نے جو فلسفہ کی تحصیل کی وہ صرف اس لئے کی کہ فلاسفہ کے ملحدانہ اعتراضات کے جواب دیں۔ انہوں نے فلسفہ کی غلطیاں دکھائیں اور ان غلطیوں پر فلسفیوں کے انداز ہی پر دلیلیں قائم کیں ورنہ فلسفہ و حکمت ان کا اکتسابی اور ثانوی فن تھا اور خود ان کے نقطۂ نظر سے یہ ان کی زندگی کا کوئی اہم مقصد نہ تھا۔ (۱۶)

غزالی عقل کے ذریعے معلوم شدہ علوم میں شک کرتے ہیں مگر یقین کرتے ہیں کہ معرفت اس نور سے حاصل ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ قلب میں ڈال دیتا ہے۔ یہاں زکی مبارک ایک اہم بات کہتا ہے:

''ڈیکارٹ شک میں گھرا رہا۔ امام غزالی نے اس کو صاف کر دیا''۔ (۱۷)

ایک اہم موضوع جس پر امام غزالی اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بات کی ہے وہ علم اور ذرائع علم سے متعلق ہے، شاہ ولی اللہ دہلوی نے وجدان کو ان تمام اقسام علوم کے ساتھ رکھ کر بڑی اہمیت کا حامل قرار دیا ہے جن کو یونانی فکر سے متاثر فلاسفہ نے برتا ہے۔ مثلاً الخیر الکثیر میں شاہ صاحب نے حسی علم، تخیل، ظن و تخمین اور عقل و فکر جیسے تمام ذرائع کا علم تقابلی موازنہ کرنے کے بعد وجدان کی اہمیت اور افادیت پر تفصیل کے ساتھ بات کی ہے۔ یونانی فلاسفہ کی طرح شاہ صاحب علم بالحواس کو ناقابل بھروسہ قرار دیتے ہیں۔ مگر سابقہ مسلم فلاسفہ جیسے غزالی کی طرح شاہ صاحب عقل کو اس لائق قرار دیتے ہیں کہ اس کے ذریعے سے عملی معاملات اور اللہ تعالیٰ کے ان مقاصد اعلیٰ کو سمجھنے کی کوشش کی جائے جو مخلوقات کی پیدائش کے پیچھے کارفرما ہو سکتے ہیں۔ کسی حد

تک جو اہمیت فارابی اور ابن سینا نے قوت تخیل کو دی ہے، جہاں پیغمبرانہ وجدان تمثالات اور ایمان کی صورت میں سامنے آتا ہے، مگر جن کو علمی اور وقوفی زبان میں اچھی طرح سے بیان نہیں کیا جاسکتا ہے، شاہ صاحب اس خیال سے زیادہ اختلاف نہیں کرتے ہیں کیونکہ شاہ صاحب کے نزدیک وجدان ایک پراسرار طاقت کا نام ہے جو عقل کے دائرے سے باہر ہے اور یہ اس خدائی حقیقت کو منظم تمثالات اور رمزو کنایات کے ذریعے سے ظاہر کرسکتا ہے۔

"Like the Greeks, he finds sansation unrealiable and like earlier Islamic philosophers such as Al-Ghazali, he ascribes to reason the power to deal with practical matters and issues relating to understanding God's purpose of human beings." (۱۸)

گو یہ صحیح ہے کہ عبادات وریاضات نفس میں آثار وحی کے قبول کرنے کی استعداد پیدا کر دیتے ہیں اس کے باوجود نبوت کا منصب خاص محض اتفاقی نہیں جو محنت وکوشش سے کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اکثر پیغمبروں نے آغاز وحی سے پہلے ایک زمانہ تک عبادات و مراقبہ میں وقت بسر کیا کبھی ایک ایک مہینہ ایک ایک چلہ اس طرح گزارا کہ وہ مادی دنیا کی آرائشوں سے یکسر الگ ہو گئے۔ چنانچہ رسول اللہؐ نبوت سے پہلے حراء میں جا کر عبادت میں مشغول ہوتے تو رویائے صادقہ دیکھنے لگے جس کی سچائی مثل سپیدہ صبح کے صاف نمایاں ہوتی تھی۔ وحی کے بعد بھی آپ اس قدر عبادت میں مصروف رہتے تھے کہ آپ کے دونوں پاؤں سوج جاتے تھے۔ اس عبادت وریاضت کے ساتھ، نبوت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے حال میں نسب، کرم اخلاق، نیک طینتی، متانت وغیرہ یہ خصائل حمیدہ موجود ہوں۔ (سورہ نجم-۱) وہ گمراہی و بے راہ روی سے پاک ہوتا ہے۔ تمام دنیا کی قوتیں اس کی قوت کے سامنے بالآخر طوعاً و کرہاً سرنگوں ہو جاتی ہیں۔ انبیاء کو اپنے نفوس قدسیہ کی بنا پر تمام انسانوں پر برتری حاصل ہوتی ہے۔ وہ دوسروں کو راست بجھاتے اور خود راہ راست پر قائم رہتے ہیں۔ ان کی پیغمبرانہ عقل وفہم تمام انسانی عقلوں سے بالاتر ہوتی ہے اور ان کو وہ ربانی خصوصیت حاصل ہوتی

ہے جس کی بنا پر وہ تمام انسانی نفوس کی تدبیر کا فرض انجام دیتے اور ان پر قابو پاتے اور ان کو کام میں لگاتے ہیں۔ جس طرح انسانوں کے عجیب و غریب کام حیوانوں کو حیرت انگیز معلوم ہوتے ہیں اسی طرح پیغمبروں کے عجیب و غریب کام انسانوں کو معجزہ نظر آتے ہیں۔ (۱۹)

انسانوں کے ساتھ بشریت اور انسانیت میں برابر کا شریک ہونے کے باوجود عقلیت و معنویت میں وہ ان سے بالکل الگ ہوتے ہیں کیونکہ ان کے اندر وحی کے قبول کرنے کی جو صلاحیت ہوتی ہے وہ دوسرے انسانوں میں نہیں ہوتی ہے۔ (کہف-۱۲)

غزالی کی ہی طرح شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے نبوت کے بارے میں اپنے خیالات کو پیش کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

> ''واضح ہو کہ انسانی طبقوں میں سب سے اعلیٰ درجہ کے لوگ اہل فہم ہیں۔ یہ لوگ اہل اصطلاح ہوتے ہیں، ان کی ملکی قوت نہایت بلند ہوتی ہے، یہ لوگ حقانی خواہش سے انتظام مقصود کے قائم کرنے پر آمادہ ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ملاء اعلیٰ سے (ان پر) احوال الٰہیہ نازل ہوتے ہیں''۔ (۲۰)

وہ سب لوگوں سے زیادہ راہِ راست کا التزام رکھنے والے، عبادت میں مصروف رہنے والے، بے ضرر، عالم غیب کی طرف ہمیشہ متوجہ و راغب، عالم غیب سے تائید حاصل کرنے والے، ادنیٰ سی ریاضت سے ایسا قرب اور تسکین پانے والے جو دوسروں کو بڑی عبادت اور ریاضت سے حاصل نہ ہو۔ غرض جب حکمت الٰہی کا اقتضاء ہوتا ہے کہ وہ کسی ملہم کو لوگوں کی طرف بھیجے تو اس شخص کے ذریعے سے لوگوں کو ظلمت سے نور کی طرف دعوت دی جاتی ہے اور بندوں پر خدا کا فرض ہوتا ہے کہ اپنی زبانوں اور دلوں سے اس کے آگے سر بہ تسلیم ہوں۔ ملاء اعلیٰ کو اس کی تاکید ہوتی ہے کہ اس کے فرمانبردار رہیں اور ان کے فرمانبرداروں سے خوشنود ہو کر ان کے شریک رہیں اور جو اس کی مخالفت کرے اور عداوت سے پیش آئے اس پر لعنت کریں اور اس سے علیحدگی کریں۔ دراصل اللہ پیغمبروں کے ذریعے سے کسی قوم کی ترقی اور دوسری قوم کی تنزلی کا اہتمام بھی فرماتا ہے''۔ (۲۱)

شاہ صاحب بڑی اہم بات کا تذکرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انبیاء کو ''گو براہِ راست

جسم و جسمانیات سے تعلق نہیں ہوتا بلکہ صرف دل اور قلب و روح کے عالم سے سروکار ہوتا ہے، تاہم اس دل اور قلب و روح کی اصلاح کے لئے جسم و جسمانیات کی کسی قدر اصلاح بھی اس حد تک ان کے فرائض میں داخل ہے۔ جہاں تک کہ ان کو دل اور قلب و روح کے کاموں کی اصلاح میں اس کی ضرورت معلوم ہوتی ہے"۔(۲۲)

یہ خوش آئند بات ہے کہ ظفر اسحاق انصاری نے شاہ ولی اللہؒ کو امام الغزالیؒ سے تقابل کے لئے پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "Infact it would be no exageration to say that he ranks among the most towering personalities of Islam, comparable in some respects to intellectual giants like Abu Hamid al-Ghazali." (۲۳)

اس کی توجیہہ کرتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں کہ: غزالیؒ کی طرح شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اسلام کو بحیثیت کل بطور ایک نظام فکر و عمل کے سمجھنے کی کامیاب کوشش کی ہے اور غزالی ہی کی طرح شاہ صاحب نے اسلامی احکام کے پیچھے چھپے ہوئے گہرے مفاہیم و مصالح کی تلاش کا کام بھی انجام دیا۔-۲۴

> "Like Al-Ghazali, Shah Wali Allah attempeed to study Islam in its totality and like him he tried to go below the surface and plump the deeper meaning and purpose of the injunctions of Islam." (۲۴)

سید ابوالحسن علی ندویؒ نے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے اس اعتراف کا حوالہ دیا ہے کہ امام غزالیؒ جیسے علماء سابقین نے علم اسرار الدین کے خد و خال کو واضح کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اگر چہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ کے مقدمے میں ان کاوشوں کو مختصر اور غیر مکتفی قرار دیا ہے۔ مگر ان کے وجود سے ہرگز انکار نہیں کیا ہے اور اس طرح سے اگر دوسرے زاویے سے دیکھا جائے تو حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ غزالیؒ کو اپنا پیشرو اور پیشوا مانتے ہیں۔ چنانچہ مولانا سید

ابوالاعلیٰ مودودیؒ، امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ پر نظام شریعت عبادات، احکام اور قوانین کی حکمتوں اور علل کے سلسلے میں غزالیؒ کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"پھر وہ نظام شریعت، عبادات، احکام اور قوانین کو پیش کرتے ہیں اور ہر ایک چیز کی حکمتیں سمجھاتے چلے جاتے ہیں۔ اس خاص مضمون پر جو کام انہوں نے کیا ہے وہ اسی نوعیت کا ہے جو ان سے پہلے امام غزالیؒ نے کیا تھا اور قدرتی بات ہے کہ وہ اس راہ میں امام موصوف سے آگے بڑھ گئے ہیں"۔ (۲۵)

اسی طرح ابوالحسن علی ندویؒ نے بھی تاریخ دعوت وعزیمت میں تقریباً انہی خیالات کا ذکر کیا ہے:

"حجۃ اللہ البالغہ" اور "البدور البازغہ" جیسی کتابوں میں شاہ صاحب نے حیات وکائنات کے مسائل سے بحث کی ہے اور اسلامی نقطہ نظر سے فلسفہ کو مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔ نظام اخلاق پر آپ نے اجتماعی فلسفہ کی عمارت اٹھائی ہے جس کے لئے ارتفاقات کا عنوان تجویز کیا ہے اور اس سلسلہ میں تدبیر منزل، آداب معاشرت، سیاست مدن، عدالت، ضرب محاصل، انتظام ملکی اور تنظیم عسکری وغیرہ کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ پھر نظام شریعت، عبادات احکام اور قوانین کو پیش کیا ہے اور ہر ایک کی حکمتیں سمجھائی ہیں۔ یہ وہ کام ہے جس میں آپ اپنے پیش رووں سے بھی بازی لے گئے ہیں۔ امام غزالیؒ کی طرح شاہ صاحب اپنے زمانے سے بھی آگے دیکھتے تھے۔ امام غزالیؒ نے فلسفہ یونان کا نہایت گہرا مطالعہ کیا اور اس پر تنقید کی اور اتنی زبردست تنقید کہ وہ رعب جو مسلمانوں پر چھا گیا تھا، کم ہو گیا اور لوگ جن نظریات کو حقائق سمجھے بیٹھے تھے، جن پر قرآن وحدیث کی تعلیمات کو منطبق کرنے کے سوا دین کے بچاؤ کی کوئی صورت انہیں نظر نہ آتی تھی، ان کی اصلیت سے بڑی حد تک آگاہ ہو گئے۔ امام کی تنقید کا اثر مسلم ممالک ہی تک محدود نہ رہا بلکہ

یورپ تک پہنچا اور وہاں بھی اس نے فلسفہ یونان کے تسلط کو مٹانے اور جدید دور "تنقید و تحقیق" کا فتح یاب کرنے میں حصہ لیا"۔ (۲۶)

امام غزالی نے مسلم ممالک میں اس مرض کی بروقت اصلاح کی اور مسلمانوں کو بتایا کہ تمہارے عقائد دینی کا اثبات ان غیر معقولات کے التزام پر منحصر نہیں ہے، جن کو فلاسفہ و متکلمین کی ضد میں اسلام کے وہ حمایتی کر رہے تھے جو علوم عقلیہ میں گہری بصیرت نہیں رکھتے تھے۔ اس کے برعکس امام غزالیؒ نے مسلمانوں کو اس بات کا یقین دلایا کہ ان کے دینی عقائد کا اثبات کرنے کے لئے معقول دلائل موجود ہیں۔ غرض غزالی کا مستقبل بینی پر مبنی یہ تجدیدی کام غزالی کے زمانے اور اس کے بعد تقریباً کئی صدیوں تک مسلمانوں کو راہ دکھاتا رہا اور ان کو تشکیک اور احساس کمتری سے نجات دلاتا رہا اور اسلام پر معقولات کی بنا پر کوئی اعتراض بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ احکام شریعت اور عبادات و مناسک کے اسرار و مصالح بیان کئے اور دین کا ایک ایسا تصور لوگوں کے سامنے رکھا جس سے وہ غلط فہمیاں دور ہو گئیں جن کی بنا پر پہلے یہ گمان ہونے لگا تھا کہ اسلام عقلی امتحان کا بوجھ نہیں سہار سکتا۔ (۲۷)

اب دیکھئے شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بھی ایک ایسے جدید علم الکلام کی بنیاد رکھی جس میں قرآن کے طرز استدلال کو بنیاد بنایا گیا اور اسی طریقے سے استفادہ کیا گیا ہے جو نبوت سے ہم آہنگ ہو۔ (۲۸)

تاہم شاہ صاحب کو امام غزالیؒ پر ایک فوقیت حاصل تھی کہ وہ علوم حدیث سے کماحقہ مجتہدانہ اور ماہرانہ واقفیت رکھتے تھے کیونکہ غزالی کے نقائص جو ان کے تجدیدی کام میں خرابی پیدا کرنے کے باعث تھے، ان میں سب سے بڑا نقص "حدیث کے علم میں کمزور ہونے کی وجہ سے ان کے کام میں پیدا ہوا"۔ (۲۹)

اب تک لوگوں نے جس چیز کو فلسفہ اسلام کا نام دے رکھا تھا وہ دراصل فلسفہ مسلمین تھا جس پر یونان و روم اور ایران و ہندوستان کی چھاپ تھی۔ اس فلسفے میں سیدھی سادی دلیلیں جو دل و دماغ کو مطمئن کر دیتی ہیں، فلسفیانہ موشگافیوں اور لطائف کلامیات کا ان کے یہاں گزر کم ہوا ہے، بس زندگی کے بنیادی مسائل اور معروضی حقائق زیر بحث آئے ہیں۔ (۳۰)

اس کے برعکس غزالی کے ہاں یونانی فلسفہ کا اثر بہت زیادہ نظر آ رہا ہے۔ اس کے باوجود کہ موصوف نے فلسفہ کی مخالفت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ البتہ دونوں مفکرین نے اپنے آئندہ آنے والے زمانے کے لوگوں کو شک و شبے اور ارتیاب و بے دینی کے ممکنہ حملوں سے بچانے کے لئے معقول کام انجام دیا۔ خصوصاً حجۃ اللہ البالغہ اور البدور البازغہ میں شاہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو سوالات آئندہ پیدا ہونے والے تھے ان کا جواب پہلے سے تیار کر کے ہندوستان میں نہیں بلکہ دنیا کے مسلمانوں کو سپرد کر رہے ہیں اور مناظر احسن گیلانی کا یہ ریمارک بڑی حد تک صحیح ہے کہ مغربی الحاد و زندقہ کے زہر کا تریاق شاہ ولی اللہ دہلوی کا کلام ہے۔ گویا جس طرح امام غزالیؒ نے اپنے زمانے میں یونانی فلسفیوں کی غلامی سے مسلمانوں کو نکال کر ان کے سامنے اسلام کی تعلیمات رکھی بالکل اسی نہج پر شاہ صاحب نے مغربی فلسفہ سے ممکنہ جو الحادی اور تشکیکی مسائل پیدا ہو سکتے تھے ان کا ادراک کیا تھا اور ان کا جواب بھی بالکل تیار رکھا تھا۔

محمود احمد غازی کا خیال ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور امام غزالیؒ کے احوال اور واردات قلبی کو سمجھنے کے لئے فیوض الحرمین اور المنقذ من الضلال کا مطالعہ بہت اہم رہے گا۔ ایسا لگتا ہے کہ روحانی تجربہ کی یافت کے بعد شاہ ولی اللہؒ ایک بہت مقدس مشن کے لئے اپنے آپ کو کمربستہ پاتے ہیں جب کہ غزالیؒ ایک ایسے ہی تجربے سے گزرنے کے بعد صرف ذاتی نجات اور طمانیت قلب کے لئے وقف ہو کر رہ گئے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہؒ پیغمبرانہ رول کی تقلید میں اپنے کام کو انجام دینے لگ گئے جب کہ غزالیؒ صوفیاء کرام کی طرح صرف انفرادی نجات کا مقصد حاصل کرنے سے دلچسپی لینے لگے۔

"Shah Wali Allah emerged from his spiritual experience to head a sacred mission, while Al-Ghazali conteded himself primiarily with his personal satisfaction. Shah Wali Allah's role tended to be prophetic, while Al-Ghazalis, tended to be largely mystic and saintly (۳۱)

فارابی ایک ایسا مسلم فلسفی ہے جس نے فلسفہ محض میں نام کمایا اور وہ اپنے ماورائی (Abstract) عقلی اپروچ کے معاملے میں ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔ ماوردی اس کے برعکس سماجی اور سیاسی معاملات میں قانونی اپروچ کا علمبردار نظر آتا ہے جب کہ امام غزالیؒ ایک ایسی ہمہ جہت اور ہمہ گیر شخصیت کا نام ہے جس نے علم الکلام، فلسفہ اور قانون تینوں کو تصوف کے ساتھ ملا کر ایک منفرد مقام حاصل کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے امام غزالیؒ کو ان سب مفکرین کے مقابلے میں حجۃ اللہ البالغہ میں نہ صرف کافی سراہا ہے بلکہ ان کے اثرات کو اپنے فکر و عمل پر محیط قرار دیا ہے جس کا برملا اظہار حضرت شاہ صاحب مرحوم نے حجۃ اللہ البالغہ کے مقدمہ میں اس طرح کیا ہے۔-۳۲ (۳۲)

چنانچہ حضرت شاہ صاحب ایک جگہ فرماتے ہیں:

"ثم من بعدهم العلماء المجتهدون يعللون الاحكام بالمصالح و يفهمون معانيها ويخرجون للحكم المنصوص منا طامنا سبا لدفع ضرا وجبت نفع كما هو مبسوط كتبهم و مذاهبهم، ثم اتى الغزالى والخطابى و ابن عبدالسلام وامثالهم. شكر الله مساعيهم. بنكت لطيفتة و تحقيقاتِ شريفتة نعم كما او جبت السنة هذه..."

یعنی "اور ان کے بعد مجتہدین احکام کے علل و مصالح برابر سمجھتے رہے اور ہر حکم صریح کی کوئی نہ کوئی علت خواہ وہ حصول نفع ہو یا دفع مضرت ضرور قرار دیتے رہے۔ جیسا کہ ان کی کتابوں میں مفصل مذکور ہے۔ پھر تو غزالی، خطابی اور ابن عبدالسلام وغیرہم نے عجیب لطائف و نکات اور عمدہ عمدہ تحقیقات بیان کیں، خدا ان کو ان کی سعی کا عوض دے..."۔ (۳۳)

آگے امام غزالیؒ کے صوفیانہ کتابوں کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں:

ومنها ان طالب الاحسان اذا اجتهد فى الطاعات وهويعرف وجه مشروعيتها و يقيدنفسه بالمحافظة على ارواحها و انوارها نفعه قليلها و كان البعد من ان يخبط خبا عشواء، و لهذا المعنے اعتنے

الامام الغزالی فی کتب السلوک بتعریف اسرار العبادات"۔

(۳۴)

یعنی ''سوم یہ کہ طالب خیر جب نیکیوں میں انتہائی کوشش کرتا ہے اور وہ ان کے مشروع ہونے کی وجہ بھی بخوبی جانتا ہے اور ان کے تقاضوں اور لوازمات پر پوری طرح نگاہ رکھتا ہے تو وہ تھوڑی عبادت بھی اس کو بہت فائدہ دیتی ہے اور وہ اس کو خوب پکا ہو کر دیکھ بھال کرتا ہے، اندھا دھند نہیں چلتا اور اسی لئے امام غزالی نے کتب سلوک میں بڑی توجہ و اہتمام کے ساتھ لوگوں کو اسرار عبادات سے روشناس کرایا ہے''۔(۳۵)

میرے خیال میں امام غزالیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے درمیان جو سب سے بڑا نقطہ اشتراک ہے وہ اسرار الدین کے علم کو عام کرنا ہے۔ امام غزالیؒ کی احیاء علوم الدین میں امام غزالی نے اس کام کو بحسن وخوبی انجام دیا اور اسی کی تقلید وتوسیع میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بھی حجتہ اللہ البالغہ میں اپنے علمی کمال کے ذریعے سے ایک نیا انداز پیدا کیا۔ ''شریعت کے مقاصد، اسرار وحکم اور فقہ و حدیث کے مابین تطبیق و اختلافی مسائل اور اختلافی نقطہ ہائے نظر کے درمیان تطابق دینے میں شاہ ولی اللہ صاحب نے مجتہدانہ انداز اختیار کیا اور زندگی کے ہر میدان میں تجدیدی کارنامے انجام دیئے خواہ اس کا تعلق عقائد، عبادات، معاملات سے ہو، اجتماعی و اخلاق تصوف و سلوک سے ہو، علم و تربیت سے ہو، سیاست و نظام حکمرانی سے ہو، فرق و ملل ونحل سے ہو، انفرادی، سماجی یا گھریلو معاملات سے ہو، ہر ایک کا حل اور تشفی بخش جواب پیش کیا ہے''۔(۳۶)

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی پوری فکر پر امام غزالیؒ کے اثرات محیط ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ ان کے تجدیدی کارنامے کا ایجنڈا اصل میں امام غزالیؒ نے ہی متعین کیا تھا۔ اگر چہ حالات و واقعات کے لحاظ سے ان کے رول میں تفاوت بھی ہو اس لئے مولانا شبلیؒ کا یہ کہنا مبنی بر مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ ''شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی اور ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے''۔(۳۷)

مولانا آزاد مرحوم نے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو حجتہ الاسلام کا لقب دیا ہے اور لکھا ہے:

''بایں ہمہ معلوم ہے کہ وہ جو دورِ آخر کے فاتح اور سلطان عصر ہونے کا مقام تھا اور قطبیت وقت کا، وہ صرف حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہؒ ہی کے لئے تھا اور لوگ بھی بے کار نہ رہے مگر جو کام یہاں انجام پایا وہ صرف یہیں کے لئے تھا''۔(۳۸)

یاد رہے حجۃ الاسلام کا لقب دراصل امام غزالیؒ کو ان کے عظیم علمی اور فکری کارناموں کے اعتراف میں دیا گیا تھا جو انہوں نے مخالفین اسلام جماعتوں خاص طور پر باطنیہ اور فلاسفہ کے خلاف انجام دیئے تھے۔ ان کی کتاب حجۃ الحق اس سلسلے میں بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ ابوالکلام آزاد نے حجۃ الاسلام کا لقب شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو دے کر دراصل ان دونوں عظیم اسلامی شخصیات کے کارناموں کی مماثلت کا عندیہ سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے علم حدیث کو فلسفیانہ تشکیل نو کے انوکھے عمل سے گزارا اور اس کو اسرار الدین کے علم کا نام دیا۔ ان کے خیال کے مطابق یہ علم مشکل اور دقیق ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام کے تمام علوم وفنون میں سب سے زیادہ عظیم اور جلیل نوعیت کا حامل ہے اور اس کے گہرے مطالعے سے شرعی احکام کے پیچھے رازہائے سربستہ کا سراغ لگانے سے اسلامی تعلیمات کی عظمت نمایاں ہوکر سامنے آتی ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

''میرے نزدیک تمام فنونِ حدیث میں سب سے زیادہ دقیق اور سب کی جڑ واصل اور سب سے بلند برتر اور تمام علوم شرعیہ سے بہتر اور منزلت میں اعلیٰ و افضل اور قدر و قیمت میں سب سے بڑھ کر علم اسرارِ دین ہے، جس میں احکام کی حکمت اور ان کی لم اور خواصِ اعمال کے اسرار و نکات بیان ہوتے ہیں۔ بخدا یہ وہ علم ہے جس کو خدا نصیب کرے وہ فرض عبادات سے فراغ کے بعد اپنے تمام عزیز اوقات اسی میں صرف کرے اور اس کو اپنا توشۂ آخرت بنالے کیونکہ اس علم کی بدولت آدمی شریعت کے حقائق پر مطلع ہوجاتا ہے اور اس کو ان اخبارِ شریعت سے وہ مناسبت پیدا ہوجاتی ہے جو صاحب عروض کو اشعار

سے منطقی کو براہین حکماء سے، نحوی کو کلام فصحاء سے اور اصولی کو تفریعات فقہاء
سے ہوتی ہے۔ اسی علم کی وجہ سے انسان حاطب لیل اور غائص سیل ہونے
سے محفوظ رہتا ہے" (۳۹) اور یہی وہ علم ہے جس کی ابتداء صحیح معنوں میں امام
غزالیؒ نے کی ہے اور امام غزالیؒ اور خطابیؒ کے علاوہ اس میدان میں کوئی دوسرا
اسلامی مفکر قدم رنجہ نہیں ہوا ہے۔

"Only men like Al-Ghazali have written on the subject." (۴۰)

دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے یہاں تصوف و فقہ کو باہم سمو دیا گیا ہے اور اسلام کے فقہی نظام (جس کی بنیاد بہرصورت احادیث نبویؐ پر ہے) کی ایسی عارفانہ، دلنشین اور دل کو لگتی ہوئی ترجمانی کی گئی ہے جس سے داعیات محبت ابھرتے ہیں، دین سے وابستگی بڑھتی ہے اور ذوق و شوق کے کوائف تازہ ہوتے ہیں۔ ناممکن ہے کہ کوئی شخص غزالی کے ان شہ پاروں کا مطالعہ کرے اور بغیر کسی اثر پذیری کے گزر جائے۔ قلب و ذہن کی سلامتی البتہ شرط ہے"۔ (۴۱)

میں سمجھتا ہوں کہ صحیح اسلامی روحانیت اور تصوف دراصل مشکاۃ نبوتؐ سے روشنی حاصل کرنے کا نام ہے اور صوفیاء کرامؒ نے اتباع رسولؐ اور محبت رسول کو اپنا مطمع نظر بنایا ہے۔ جس طرح ہمارے علماء اور محدثینؒ نے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کو اپنی تمام کاوشوں کا مرکز و محور بنایا ہے۔ بالکل اسی طرح صوفیاء کرام نے اتباع رسولؐ اور محبت رسولؐ کے اس قرآنی اصول: ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله. کو اپنا مدعا و مقصد حیات قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

"اور اس حالت میں مجھ کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ صرف صوفیہ ہی خدا کے راستے پر چلنے والے ہیں۔ ان کے اخلاق سب سے بہتر ہیں، ان ہی کا راستہ صحیح ہے اور ظاہر و باطن میں ان کے تمام حرکات و سکنات چراغ نبوت کا پرتو ہیں جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی روشنی نہیں۔ اس لئے جو شخص ذوق سے اس کو حاصل نہیں کر سکتا، وہ صرف نبوت کے نام سے واقف ہے اور اس کی

حقیقت سے بے خبر ہے"۔ (۴۲)

"اس انداز فکر اور اسلوب انشاء وتحریر کا انتہا پسندیدہ نمونہ وہ ہے جو ابن عربی کی فصوص الحکم یا فتوحات میں پایا جاتا ہے اور نہایت متوازن اور معقول انداز وہ ہے جس کے غزالی حامل ہیں"۔ غزالیؒ میں دوسرے وجودی صوفیہ کے مقابلہ میں توازن اس وجہ سے ہے کہ تصوف کی منزلیں طے کرنے سے پہلے یہ بہر حال ایک منجھے ہوئے عالم دین بلکہ سرخیل علماء تھے۔ اس لئے انہوں نے تصوف کی جس شاخ کو اپنایا ہے قدرتاً وہ ان کے ذوق اعتدال کے خلاف نہیں ہو سکتی تھی"۔ (۴۳)

چونکہ امام غزالیؒ دراصل صحیح معنوں میں مقاصد دین اور اسرار شریعت کے مشتاق رہے ہیں۔ وہ علمی لحاظ سے ان تمام روحانی اور صوفیانہ مراحل اور مقامات سے گزرنے کے بعد بھی حدیث کے علم سے اپنے آپ کو کبھی بے نیاز نہ سمجھ سکے۔ چنانچہ جب فخر الملک محرم ۵۰۰ھ میں ایک باطنی کے ہاتھ سے شہید ہوا تو امام صاحب نے عہدہ تدریس سے کنارہ کشی اختیار کر کے طوس میں خانہ نشینی اختیار کر لی اور گھر کے پاس ہی ایک مدرسہ اور خانقاہ کی بنیاد ڈالی اور ہمہ وقت ظاہری و باطنی دونوں علوم کی تلقین کرتے رہے۔ البتہ امام صاحب چونکہ اثنائے تحصیل میں فن حدیث کی تکمیل نہیں کر پائے تھے۔ اگرچہ انہوں نے ابوالفتح الحاکمی طوسی سے سنن ابی داؤد پڑھی تھی۔ فقہاء کے ساتھ متفرق طور پر ہزاروں حدیثیں سنی تھیں اور ابو بکر احمد بن عمرو بن ابی عاصم شیبانی نے مولد رسولؐ پر جو کتاب لکھی تھی، اس کو امام صاحب نے شیخ ابوعبداللہ محمد بن احمد الخواری سے سنا تھا۔ تاہم اب تک احادیث صحیحہ کا اصلی خزانہ ان کی نگاہوں سے چھپا ہوا تھا، اس لئے سب کے اخیر میں وہ اس طرف متوجہ ہوئے اور محدثین کی صحبت اختیار کی اور حافظ عمر بن ابی الحسن الرواسی طوسی کو اعزاز و اکرام کے ساتھ بلا کر ان سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم سنی اور ابن عساکر کے بیان کے مطابق امام صاحب کی زندگی کا خاتمہ علم حدیث کی طرف توجہ، اہل حدیث کی صحبت اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے مطالعہ پر ہوا اور ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے اخیر عمر میں جب امام صاحب کو معلوم ہوا کہ صوفیوں کے طریقہ سے ان کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تو انہوں نے احادیث سے

ہدایت حاصل کرنا چاہی اور بخاری و مسلم کے مطالعہ میں مصروف رہنے لگے اور اسی حالت میں انہوں نے وفات پائی۔(۴۴)

چنانچہ غزالی نے بھی اسرار دین کے اس علم کو پروان چڑھایا جو آگے چل کر شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے ہاں تکمیل کو پہنچا۔ مثلاً جب غزالی مسائل نماز کا ذکر کرتا ہے تو صرف اس پر اکتفاء نہیں کرتا ہے کہ اس کے متعلقات ظاہر کی تائید میں قرآن و حدیث کی تصریحات پیش کر دیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر وہ بتا دیتے ہیں کہ نماز کی روح اور اصل کیا ہے؟ اس میں خضوع و خشوع تضرع کا کیا درجہ ہے اور غفلت و سہو کس درجہ مضر ہے۔ پھر یہ بتاتے ہیں کہ ہمارے اسلاف جب نماز پڑھتے تھے تو ان پر شوق و محویت یا خوف و خشیت الٰہی کا کس قدر غلبہ و استیلاء ہوتا تھا۔

صدقات کی بحث میں وہ صرف یہ نہیں بتاتے ہیں کہ ان کی حیثیت کیا ہے۔ کن حالات میں کن کن لوگوں پر یہ فرض ہیں اور کہاں کہاں اور کن کن صورتوں میں مستحب ہیں ان کا محل و مصرف کیا ہے۔ کہ یہ سب بحثیں خالص فقہی انداز کی ہیں۔ ان کا اصل موضوع یہ ہے کہ صدقات سے کس طرح ایک مکمل عبادت کا کام لیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ان کے ہاں اس سلسلہ میں یہ بحث زیادہ اہم ہے کہ سر و اظہار میں سے کون صورت ایسی ہے جو زیادہ اخلاص و احسان کے نقوش کو ابھارنے والی ہے۔ دونوں کے دلائل کیا ہیں؟ اور کس دلیل میں باطن و قلب کے نقطہ نظر سے زیادہ وزن ہے؟ اس کے پہلو بہ پہلو پھر یہ اسلاف کے طرز عمل کی ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جو نہایت درجہ دل نشین موثر اور ایمان آفرین ہیں۔

یہاں پر ایک اہم نکتہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ اگر فقہ کو پورے نظام دین کا متبادل قرار دیا جائے اور احادیث نبویؐ میں جو تزکیہ اور تصفیہ پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہے، اس کی طرف دھیان نہ دیا جائے پھر دین صرف بے جان معلومات اور علم الکلام کی موشگافیوں کا مجموعہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ احادیث اور فقہ، یا دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں دینیات اور روحانیت کے درمیان رشتہ ہمیشہ قائم رہنا چاہئے۔ شاید اسی لئے امام غزالیؒ نے فقہ میں تصوف کو سمو دیا کیونکہ ''امام اس نکتہ جان فزا سے خوب آگاہ ہیں کہ فقہ و قانون میں اگر متصوفانہ عنصر معدوم ہو جائے تو پھر اس میں وہ زندگی، وہ روحانیت اور وہ معنویت باقی نہیں رہتی جو مقصود اسلام ہے

بلکہ پھر قانون و فقہ میں ایک انداز کا جمود پیدا ہو جاتا ہے۔ایک طرح کی تنگ نظرانہ ذہنیت ابھر آتی ہے اور یہ سارا کارخانہ ہی بے جان اور ٹھس ہو کر رہ جاتا ہے۔یہی نہیں، پھر اس میں تفریع اور حیل ایسی برائیاں پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہیں جو کہ دنیاوی قانون کا خاصہ تو ہیں دینی کا نہیں۔ اسی طرح اگر تصوف کو قید شریعت میں محصور نہ رکھا جائے اور اس کی فقہی و دینی حدود کی تعین نہ کی جائے تو یہ تصوف بے راہ روی، الحاد اور زندقہ کے راستہ پر ہو لیتا ہے اور بجائے اس کے کہ سالک میں ایمان و اخلاص کے جذبوں کو ابھارے، الٹا گمراہی و ضلالت کا باعث ثابت ہوتا ہے۔گویا فقہ و تصوف میں تعلق و رشتہ کی وہی نوعیت ہے جو جسم و روح میں ہے۔اگر فقہ کے احکام و مسائل میں یہ روح جاری و ساری ہے تو جسم کا ڈھانچہ بھی قائم ہے اور یہ روح نہیں ہے تو پھر یہ ڈھانچہ بھی قائم ہے اور یہ روح نہیں ہے تو پھر یہ ڈھانچہ نہیں لاش ہے"۔(۴۵)

شاہ ولی اللہ دہلویؒ قدم قدم پر امام غزالیؒ سے متاثر نظر آتے ہیں۔خاص طور پر تصوف کے معاملے میں جن دو برگزیدہ صوفیوں سے شاہ صاحب مرحوم متاثر ہیں، وہ امام غزالیؒ اور شیخ محی الدین ابن عربیؒ ہیں۔ایسا لگتا ہے کہ ان کا تصوف دراصل امام غزالیؒ اور ابن عربیؒ کے نظام فکر کی توسیع ہے۔چونکہ تصوف میں امام غزالیؒ کا مقام اس قدر اعلیٰ و ارفع ہے کہ اس کو بعض لوگوں نے بعد میں آنے والے صوفیاء کا منبع و مرجع قرار دیا ہے۔غزالیؒ نے جس طرح پہلی بار تصوف کو دینیات اور مسلم فلسفہ کا جزو لاینفک بنا دیا اس سے کسی ذی علم کو انکار نہیں۔اگرچہ امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک غزالی کا سب سے بڑا جرم یہی تھا کہ اس نے کلام کو اسلامی الٰہیات کا حصہ بنا دیا۔ اسی بات کی طرف ہرمن سن نے بھی اس طرح اشارہ کیا ہے کہ شاہ ولیؒ نے دراصل امام غزالیؒ کے صوفیانہ افکار کو اور وسیع کیا اور اپنے دامن کو سابقہ روایات تصوف سے بھر دیا۔

> "In any particular field to which he addressed himself, Shah Wali Allah Clearly building on the tradition, so that one can understand his sufism as extending the ideas of Al-Ghazali. (iiii) and Ibn-Al 'Arabi...". (۴۶)

یہ ٹھیک ہے کہ امام غزالی کے اثرات گہرے طور پر شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے تصوف پر مرتب

ہوئے ہیں۔ مگر جہاں تک علم الکلام کا تعلق ہے، وہاں شاہ ولی اللہ دہلوی اس لحاظ سے ممتاز نظر آ رہے ہیں کہ انہوں نے غزالی کی طرح صرف فلسفہ پر تنقید کو منطقی انجام تک پہنچایا بلکہ اپنے کارناموں کے ذریعے سے امام غزالیؒ اور رازیؒ کے کام کی توسیع ہی نہیں کی بلکہ ایک نیا اور اچھوتا علم الکلام ترکیب دیا۔ انہوں نے صرف عقائد تک ہی اپنے سابقہ متکلمین کی طرح اپنے آپ کو محدود نہیں رکھا بلکہ شریعت کے اعجاز کے علاوہ قضا، قدر، قدامت قرآن، ذات و صفات الٰہی وغیرہ قدیم تصورات متکلمین کو ایک نئی ہمہ جہتی تعبیر و تشریح سے ہمکنار کیا۔ (۴۷)

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے مصالحہ مرسلہ کی ایک بہت اچھی تعریف بیان کی ہے اور یہ اصطلاح اس کے فکر و خیال میں ایک بنیادی حیثیت کی حامل اصطلاح ہے۔ یہ دراصل اس فطری نظام کی عکاس اصطلاح ہے، جس کو شرعی نظام بھی بروئے کار لانا چاہتا ہے۔ اگر چہ اس اصطلاح کو مالکی فقہ میں پبلک انٹرسٹ (مفاد عامہ) کے معانی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر غزالیؒ نے اس اصطلاح کو وسیع ترین مفاہیم میں استعمال کیا ہے جن کے مطابق مصالحہ شریعت کے اس پورے سلسلہ کو محیط ہے، جس میں زندگی، خاندان، عقل اور ملکیت وغیرہ کا تحفظ شامل ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی امام غزالیؒ سے متاثر ہو کر اس اصطلاح کو المصالحہ الکلیہ کے معانی میں سامنے لائے ہیں۔

> "Al-Ghazzali recognized both this narrower sense of the term and a broader concept of maslaha as furthering the ultimate purpose of the Shariah in the maintenance of religion life, reason and property. For Shah Wali Allah the term maslaha conveys yet a broader sense of the intended benifit or salutory purpose of the divine injunctions. At the highest level, this beneficial interst consists of fulfilling the one great universal purpose (Al-maslaha Al-Kulliyya) of the cosmic order." (۴۸)

روزہ کا ذکر کرتے ہیں تو اس کی روح و فلسفہ پر زیادہ زور دیتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ

جہاں کھانے پینے یا جنسی فعل سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، وہاں جھوٹ، غیبت اور ریا سے بھی اس کی حقیقت متاثر ہوتی ہے اور برائیوں اور معصیتوں سے بھی اس کی صحت و اثر آفرینیوں میں فرق آتا ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ عبادات میں معانی باطنہ کی نزاکتوں کا خیال رکھنا ظواہر کی رعایت سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ عبادات تو عبادت ہی باطن و روح کی کیفیات سے ہیں۔ اسی طرح حج کی تفصیلات پر جب گفتگو کرتے ہیں تو ایسے پیارے انداز میں کہ شوق، محبت اور وارفتگی کا سماں پیدا ہو جاتا ہے۔ غزالی حج کو کوچہ یار میں حاضری قرار دیتے ہیں اور بجا طور پر کہتے ہیں کہ کوئے یار میں حاضری کے وقت جس ادب، جس شوق اور جس بے قراری کا ایک عاشق صادق کو سامنا کرنا پڑتا ہے، بالکل انہی کیفیات کا استحضار ان دیار میں حاجی کے لئے ضروری ہے۔(۴۹)

اب دیکھیے شاہ ولی اللہ دہلویؒ امام غزالی ہی کی طرح ان اہم عبادات پر بات کرتے ہوئے ان کے اندر چھپے ہوئے فلسفہ کو بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ نماز کے بارے میں فرماتے ہیں:

> ''واضح ہو کہ نماز میں تین چیزیں اصل ہیں۔ ایک یہ کہ دل سے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنا، دوسرے زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، تیسرے جسم سے اللہ تعالیٰ کی غایت درتعظیم کرنا۔ یہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کا اجزاء نماز ہونے میں تمام امتوں کا اتفاق ہے''۔ (۵۰)

فلسفہ زکوٰۃ بیان کرتے ہوئے بھی غزالیؒ کی طرح فرماتے ہیں:

> ''واضح ہو کہ زکوٰۃ میں سب سے زیادہ جس کی رعایت کی گئی ہے وہ دو مصلحتیں ہیں، ان میں سے ایک مصلحت انجام کار تہذیب نفس کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ نفوس کے اندر بخل پایا جاتا ہے اور بخل اخلاق میں بدترین عادت ہے جو آخرت کے اندر نہایت ضرر رساں ہے اور جب بخیل آدمی مر جاتا ہے تو اس کا دل مال کے ساتھ الجھا رہتا ہے اور اس وجہ سے وہ عذاب میں مبتلا رہتا ہے اور جو زکوٰۃ کا عادی ہو جاتا ہے اور بخل کو اپنے نفس سے دور کر دیتا ہے تو وہ

اس کے لئے نافع ہے اور آخرت میں خدا تعالیٰ کی فرماں برداری کے بعد تمام اخلاق میں سب سے زیادہ نافع دل کی سخاوت ہے... سخاوت کی اصل شاہ صاحب کے نزدیک یہ ہے کہ ملکیت بہیمیت پر غالب آ جائے اور ملکیت اس پر حاکم ہو جائے اور بہیمیت ملکیت کے رنگ میں رنگین ہو کر اس کا حکم قبول کرنے لگے۔ دوسری حکمت کا بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ شہر سے متعلق ہے اور وہ یہ ہے کہ شہر میں ناتوان اور حاجت مند ضرور ہوتے ہیں۔ پس اگر فقراء و حاجتمندوں کے ساتھ ہمدردی کا طریقہ لوگوں میں نہ ہو تو وہ ہلاک ہو جائیں اور بھوکے مر جائیں وغیرہ وغیرہ۔ (۵۱)

روزہ کی حکمت بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں چونکہ قوت بہیمی کی شدت قوت ملکی کے احکام ظاہر ہونے سے مانع تھی اس واسطے اس کا مغلوب کرنا ضروری ہوتا اور چونکہ اس کی شدت اور جوش کا باعث کھانا پینا اور لذائذ شہوانیہ میں منہمک ہونا تھا اور اس انہماک کا وہ اثر ہوتا ہے جو شکم سیر کھانے پینے کا بھی نہیں ہوتا۔ اسی واسطے ضروری ہوا کہ اس کے مغلوب کرنے کا طریق ان اسباب میں کمی کرنے سے ہو...''۔ (ص ۱۵۵، حوالہ سابقہ)

حج کی حکمتوں کا ذکر کرتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: حج کے اندر جن مصلحتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے وہ چند امور ہیں۔ از انجملہ تعظیم بیت اللہ ہے کیونکہ وہ شعائر الٰہی میں سے ہے اور اس کی تعظیم خدا تعالیٰ کی تعظیم ہے اور از انجملہ اجتماع کے معنی ثابت کرنا ہے کیونکہ ہر دولت اور ملت کے لئے ایک اجتماع کا دن ہوتا ہے جس میں ادنیٰ اور اعلیٰ سب جمع ہوتے ہیں تاکہ ایک دوسرے کی معرفت حاصل کریں''۔ (۵۲)

امام غزالیؒ نے جن تین امور میں اسلامی عقائد کی خلاف ورزی کی پاداش میں فلاسفہ کو کافر قرار دیا تھا ان میں ایک اللہ کے جزئیات کے علم کا انکار تھا۔ چنانچہ فلاسفہ اسلام، فارابی اور ابن سینا اگرچہ اللہ تعالیٰ کے عالم الکلیات ہونے پر یقین رکھتے تھے مگر اللہ کے عالم جزئیات ہونے کی اس طرح تاویل کرتے تھے کہ اس کا منطقی نتیجہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے جزئیات کے علم سے انکار کی صورت میں نکلتا تھا۔

چنانچہ غزالی تہافتہ الفلاسفہ کے مسئلہ نمبر ۱۱ میں باب باندھ دیتے ہیں اور اس کا عنوان اس طرح قائم کرتے ہیں۔

''ان فلسفیوں کے قصور استدلال کے بیان میں جو سمجھتے ہیں کہ اول اپنے غیر کو جانتا ہے اور انواع و اجناس کو نبوع کلی جانتا ہے''۔ (۵۳)

شاہ ولی اللہ دہلویؒ اس موضوع پر بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''خدا کی حیات ہماری حیات و زندگی کی طرح نہیں۔ اس کا دیکھنا ہمارے دیکھنے کی طرح نہیں، اس کی قدرت ہماری قدرت کے مثل نہیں...''۔ مثلاً یہ کہا جائے کہ وہ بارش کے قطروں کی تعداد اور ریگستانوں کے ریت کے ذرات کا شمار اور تمام درختوں کے پتوں اور سب جانداروں کے سانسوں کی گنتی جانتا ہے اور اندھیری رات میں بھی چیونٹی تک کی چال کو دیکھتا اور بند کمروں میں لحافوں کے نیچے جو گھڑگھڑاہٹ یا کھسر پھسر ہوتی ہے اس کو بھی سنتا ہے اور اسی طرح کی باتیں''۔ (۵۴)

سرسید احمد خان مرحوم اس سلسلے میں غزالیؒ کے خیالات کا خلاصہ کچھ اس طرح پیش کرتے ہیں جو فلسفیوں کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔ ''ان کا یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ کو کلیات کا علم ہے، جزئیات کا علم نہیں ہے''۔ (۵۵)

غزالی نے فلاسفہ کے ان خیالات کو موجب کفر قرار دیا ہے ''جن کے مطابق حشر اجساد کا نہیں بلکہ ارواح کا ہوگا۔ ارواح عود نہیں کریں گے دوزخ و جنت حور و قصور وغیرہ جسمانی نہیں بلکہ یہ چیزیں صرف روحانی ہیں''۔ جو جسمانی عذاب و ثواب سے اعلیٰ و ارفع ہیں۔ چنانچہ یہ عنوان قائم کرنے کے بعد فلاسفہ کے خیالات کا خلاصہ اس طرح پیش کرتے ہیں:

''شریعت میں عذاب و ثواب کی حسی مثالیں جو دی گئی تو ان سے مراد محض تمثیلات ہیں کیونکہ عوام کی کمزور سمجھ ان مثالوں کے بغیر حقائق کا ادراک نہیں کرسکتی اور اسی لئے یہ مثالیں دی گئی ہیں۔ ورنہ روحانی لذات ان حقیر جسمانی لذات سے بدرجہا رفیع و بلند ہیں''۔ غزالی فلاسفہ کے جواب میں فرماتے ہیں: ''ہم کہتے ہیں کہ بے شک ان میں سے اکثر باتیں وہ ہیں جو شریعت اسلامیہ سے متصادم نہیں کیونکہ ہم اس امر کا انکار نہیں کرتے کہ آخرت میں

انواع و اقسام کی لذتیں ہیں جو محسوسات کی لذتوں سے بہت ارفع و اعلیٰ ہیں اور نہ ہم جسم سے مفارقت کے بعد روح کی بقاء کے منکر ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ ان تمام باتوں کو ہم صرف شریعت کے توسط ہی سے جان سکتے ہیں۔ اس میں معاد کا ذکر آ چکا ہے اور معاد بغیر بقا روح کے ممکن نہیں۔ ہم فلسفیوں کے صرف اس دعویٰ کے مخالف ہیں کہ اس کی معرفت عقلی قیاس آرائیوں سے ہو سکتی ہے"۔ (۵۶)

اس کے بعد غزالی فرماتے ہیں: فلاسفہ کی جو باتیں مخالف شرع ہیں وہ درج ذیل ہیں:

حشر بالاجساد کا انکار جہنم میں آرام جسمانیہ کا انکار جنت میں لذات جسمانیہ کا انکار۔

جنت و دوزخ کا انکار جس کی توصیف قرآن مجید میں کی گئی ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ آخرت میں دونوں قسم کی سعادت یا شقاوت یعنی روحانی و جسمانی کے اجتماع سے بھلا کون سا امر مانع ہے؟ خدا تعالیٰ کا یہ قول کہ "فلا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرۃ اعین"۔ (یعنی کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان نیک بندوں کے لئے آخرت میں کیا آنکھوں کی ٹھنڈک پوشیدہ رکھی گئی ہے) سے مطلب یہ ہے کہ ان تمام نعمتوں سے مجموعی طور پر کوئی بھی واقف نہیں ہے..."۔(۵۷)

غزالی فرماتے ہیں کہ آخرت میں جن باتوں کا وعدہ کیا گیا ہے وہ قدرت خداوندی سے محال نہیں ہیں۔ اس لئے ان آیتوں کے ظاہری کلام ہی کے مطابق معنی لینا لازم ہے۔

سرسید احمد خان فلاسفہ کے خیالات کو غزالیؒ کی زبان میں مختصراً اس طرح بیان کرتا ہے۔

"ان کا یہ کہنا کہ اجساد محشور نہیں ہوں گے اور ثواب یا عذاب روح مجردہ کو ہوگا اور عذاب روحانی ہوگا نہ جسمانی"۔ (۵۸)

چنانچہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ امام غزالیؒ کے معاد سے متعلق تصورات کو زیادہ وضاحت کے

ساتھ حجۃ اللہ البالغہ میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام غزالیؒ نے عذاب قبر کے باب میں مختلف مقامات کی صورت بہت اچھی طرح بیان کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی احادیث کے ظاہری معنی تو صحیح ہیں لیکن ان کے اسرار معلوم نہ ہوں اور اصل حقیقت کا علم نہ ہو تو اسے ان کو ظاہری معنوں کا انکار نہیں کرنا چاہئے بلکہ سچا جان کر تسلیم کر لینا چاہئے کیونکہ یہی ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے۔ اگر کوئی یوں کہے کہ ہم نے کافر کی قبر کو بارہا کھول کر دیکھا اور عرصہ تک اس کی لاش کو بھی قبر میں پڑے دیکھا۔ لیکن یہ چیزیں (یعنی ان پر ثواب و عذاب تو نہیں دیکھا) پھر خلاف مشاہدہ چیز کی کیسے تصدیق کی جائے تو اس کا جواب یوں ہے کہ انسان کے ہر ایسی باتوں کی تصدیق کرنے میں تین حال ہیں۔ پہلا حال جو کہ سب سے زیادہ واضح صحیح اور قابل تسلیم ہے، وہ یہ ہے کہ یہ سب باتیں اپنی جگہ موجود ہیں، بے شک اس کو سانپ اور اژدہا ڈس رہا ہے، لیکن تجھ کو آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا۔

کیونکہ ملکوتی امور کے دیکھنے کی ان آنکھوں میں صلاحیت ہی نہیں اور جو چیز بھی آخرت سے تعلق رکھتی ہے وہ ملکوتی ہے۔ دوسرا حال یہ ہے کہ سونے والے کی حالت تو تم کو یاد ہوگی کہ وہ خواب میں سانپ کو ڈستے دیکھتا ہے اور اس کی تکلیف وایذاء بھی اس کو محسوس ہوتی ہے جس طرح جاگتے کو محسوس ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ تم اس کو چیختے ہوئے اور ماتھے پر پسینہ آتے ہوئے دیکھتے ہو اور کبھی وہ اپنی جگہ سے اچھل بھی پڑتا ہے۔ یہ سب باتیں وہی دیکھتا اور محسوس کرتا ہے۔ لیکن ظاہر میں تم اس کو وہیں خاموش پڑا دیکھتے ہو نہ اس کے ارد گرد سانپ دکھائی دیتے ہیں نہ بچھو حالانکہ اس کے لحاظ سے سانپ بھی اس کے پاس موجود ہیں اور بچھو بھی اور تکلیف بھی اسے برابر محسوس ہو رہی ہے۔ لیکن یہ سب باتیں تمہارے لحاظ سے مشاہدہ سے باہر ہیں اور جب سزا و عذاب دراصل ڈسنے کی تکلیف سے ہوتا ہے تو پھر خیالی سانپ ہونے یا حقیقی سانپ ہونے سے (اس میں) کیا فرق پڑتا ہے۔ تیسرا حال یہ ہے کہ تم خوب جانتے ہو کہ سانپ بذات خود کچھ تکلیف وضرر نہیں دیتا بلکہ جس چیز سے تم کو درد و تکلیف پہنچتی ہے وہ اس کا زہر ہے، پھر زہر بھی بذات خود کچھ (باعث) تکلیف نہیں بلکہ اس سے جو اثر حاصل ہوتا ہے دراصل وہی (باعث) تکلیف ہے تو اگر سوائے زہر کے چاہے کسی اور چیز سے یہ اثر حاصل ہو تو وہ بھی ایک قسم کی

تکلیف و عذاب ہوگا جو اس سے کسی طرح کم نہ ہوگا۔ لیکن اس عذاب (کی تکلیف) کو بغیر ایسے سبب کی طرف نسبت دیتے بیان نہ کر سکو گے جس سے عام طور پر اسی قسم کی تکلیف محسوس ہوتی ہے"۔ (۶۰)

یہاں امام غزالیؒ کی اس پوری عبارت کو نقل کر کے مختلف نتائج تک پہنچنے کا عمل اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ شاہ صاحب نے فلاسفہ کے مقابلے میں غزالی کے خیالات کو ہی ترجیح دی ہے اور ایک طرح سے حشر ارواح کے مقابلے میں حشر بالاجساد والے عقیدے کو پوری طرح سے واضح کیا ہے۔

رسول اللہؐ کی حدیث کہ ہر ایک جو پیدا ہوتا ہے فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اس کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا لیتے ہیں"۔ (۶۱)

چنانچہ غزالی کل مولود یولد علی الفطرۃ والی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"میں نے دیکھا کہ نصاریٰ کے بچوں کی نشو و نما دین نصرانی پر ہی ہوتی ہے اور یہود کے بچوں کی نشو و نما یہودیت پر ہوتی ہے اور مسلمانوں کے بچوں کی نشو و نما اسلام پر ہوتی ہے۔ میں نے وہ حدیث بھی سنی ہوئی تھی جو رسول خدا سے بدیں مضمون مروی ہے کہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے، فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔ بس میرے دل میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ حقیقت فطرت اصلی اور حقیقت ان عقائد کی جو تقلید والدین یا استاد عارض ہوتے ہیں، معلوم کروں اور ان تقلیدات میں تمیز کروں جن کی ابتداء امور تلقینات سے ہوتی ہے اور جن کی وجہ سے تمیز حق و باطل میں اختلاف ہوتے ہیں"۔ (۶۲)

شاہ ولی اللہ دہلویؒ اس فطرت کے موضوع پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"واضح ہو کہ افراد کی سعادت (بہتری) یہی ہے کہ ان میں نوع کے احکام

پورے پورے پائے جائیں اور ان کا مادہ ان سے گریز بھی نہ کرے اور نہ کوئی کمی چھوڑے کہ اس کے بعض نوعی خواص ظاہر نہ ہو سکیں اور اسی لئے آپ افرادِ نوع کی سعادت اور شقاوت میں مختلف الحال پاتے ہیں اور جہاں تک وہ افراد اپنی نوع کے مقتضاء کے موافق رہتے ہیں ان کو تکلیف نہیں پہنچتی، لیکن ان افراد کی فطرت کبھی عارضی اسباب کی وجہ سے متغیر ہو جاتی ہے۔ جیسے ورم وغیرہ۔ آنحضرتؐ کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے: ''پھر اس (بچہ) کو ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں''۔ (۶۳)

اس طرح شاہ صاحب مرحوم ''فطرت اللہ سے اصول بروائم بطور کلیات'' مراد لیتے ہیں نہ کہ ان کے فروع و حدود۔ دراصل یہی وہ دین ہے جو اختلاف ازمنہ سے بدل نہیں سکتا۔ (۶۴)

دراصل اس بات کی طرف امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں بھی اشارہ کیا ہے کہ فطرت سے مراد توحید و معرفت الٰہی ہے کیونکہ باعتبار جبلیت صلاحیت ادراکِ توحید ہر ایک قلب میں موجود ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ کو بعض لوگوں نے علم حدیث کی اہم کتاب بھی قرار دیا ہے۔ جیسے شاہ عبدالعزیز نے فرمایا ہے کہ حدیث کے علم کے اسرار و رموز کو خوبصورتی کے ساتھ بیان کرنے میں حجۃ اللہ البالغہ سب سے بہترین مجموعہ ہے۔ اگرچہ ہمارے پاس اس طرح کے بعض نمونے امام غزالیؒ کی احیاء علوم الدین اور شیخ عزالدین عبدالسلام الشامی کی القواعد الکبریٰ میں نظر آتے ہیں۔ مگر حجۃ اللہ البالغہ کے مقابلے میں وہ بہت کم اہمیت کے حامل ہیں۔ (۶۵)

(G. N. Jalbani, Teachings of Hazrat Shah Wali Allah Muhaddis Dehlavi, Kitab Bhavan, New Delhi. P-45)

مولانا مناظر احسن گیلانی نے لکھا ہے ''...پھر خصوصیت کے ساتھ ''علم اسرار الدین'' کے سلسلہ میں حدیث اور فقہ کے تقریباً تمام ابواب میں جن حقائق و رموز کو انہوں نے بے نقاب کیا ہے۔ اس باب میں واقعہ یہ ہے کہ ان کے اس دعویٰ کی کوئی تردید نہیں کرسکتا کہ

''حدیث کے اسرار اور اسلامی احکام و قوانین کی مصلحتیں اور ترغیبات کی حکمت اور وہ ساری باتیں جو پیغمبر خداؐ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اور جن کی آپ نے تعلیم دی ہے، ان سب کے اسرار و رموز کو بیان کرنا دراصل ایک مستقل فن ہے۔ اس فقیر سے پہلے جتنی پختہ بات میں نے کہی ہے کسی سے یہ نہ بن آیا...''۔ (۶۶)

مولانا ابوالحسن ندویؒ لکھتے ہیں:

''اسلامی مسائل کی حکیمانہ توجیہہ و تشریح اور تطبیق عقل و نقل اگرچہ بارہویں صدی کے عالم کے لئے بالکل نیا موضوع نہیں تھا۔ خود شاہ صاحبؒ نے حجتہ اللہ کے مقدمہ میں امام غزالیؒ خطابی اور شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام کا نام لیا ہے جنہوں نے احکام شرعی کے حکم و مصالح بیان کئے ہیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان بزرگوں نے جو کچھ لکھا اس کی حیثیت اشارات و نکات سے زیادہ نہیں ہے۔ اسلام کے پورے نظام شرعی کی حکیمانہ تشریح ہمیں شاہ صاحب سے پہلے نہیں ملتی، اس اہتمام وسعت اور جامعیت کے ساتھ اس موضوع پر ہمارے علم میں حجتہ اللہ البالغہ پہلی تصنیف ہے اور پھر اس کے اکثر ابواب و مضامین بالکل نئے ہیں اور فلسفہ، علم الکلام، قرآن و حدیث، تصوف اور ذاتی غور و مشاہدہ اور قوتِ استدلال کی آمیزش شاہ صاحبؒ ہی کا حق ہے''۔ (۶۷)

عرفان حبیب اور ان کے قبیل کے لوگ نہ صرف شیخ احمد سرہندیؒ کے کارناموں سے انکاری ہیں بلکہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے اہم رول کو سیاست کاری کرنے والوں کی کارستانی قرار دے کر اس کی اہمیت سے منکر نظر آرہے ہیں۔

یوحنن فریڈمن نے ان اعتراضات کا معقول جواب دیا ہے۔ دیکھئے: (۶۸)
Yohanan Friedman, Shaykh Ahmad Sirhindi, An Out line of His Thought and a Study of his

image in the eyes of Posterity, MC gill University, Institute of Islamic studies, MC gill-Queens' University press Mornteal and London, 1971, pp-109-111)

ابن تیمیہؒ کا خیال ہے کہ امام غزالیؒ نے اپنی بہت ساری کتابوں میں اس نور کا ذکر کیا ہے، جن کو وہ نور الٰہی کہتا ہے، جس کا اعتقاد ہے کہ ریاضت کے بعد عبادت گزاروں کو وہ حاصل ہو جاتا ہے اور جس کے بعد وہ شرائع کو بھی اسی نور کی روشنی میں جانچ سکتے ہیں۔ ابن تیمیہؒ کے مطابق غزالی اس طرح کے اعتقاد کا اس لئے حامل بن گیا تھا کیونکہ اس نے متکلمین اور فلاسفہ کے طریق کار میں اضطراب اور بے چینی کے علاوہ جب کچھ حاصل نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے صدق طلب اور ہوشیاری کے بدلے میں ایمان کامل عطا کیا۔ جس طرح وہ خود بیان کرتا ہے۔ اور وہ وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مشائخ اور صوفیاء فلسفیوں اور متکلمین کے مقابلے میں زیادہ حق و صداقت کے قریب ہیں مگر ابن تیمیہؒ کے نزدیک غزالیؒ تک میراث نبوی کا وہ حصہ نہیں پہنچ سکا جو خواص امت کے پاس علوم و احوال کی صورت میں موجود ہے اور نہ ہی اس کے پاس ان سابقون الاولون کا وہ حال ان کی عبادت اور علم کا منتقل ہو سکا، جس کے ذریعے سے وہ علمی مکاشفات اور معاملات عبادیہ کے اس عظیم درجے تک پہنچ سکے تھے، جہاں تک یہ صوفیاء بھی نہ پہنچ سکے۔ یہی وجہ تھی کہ امام غزالیؒ نے سمجھا کہ دین کے یہ ثمرات صوفیاء کے طریقے سے ہی اس کو حاصل ہو سکیں گے۔ کیونکہ اس کے پاس ان کے طرز عمل کے علاوہ اور کوئی نمونہ عمل نہیں تھا اور قلت علم اور فلاسفہ اور متکلمین سے جو شبہات اور سلوک اس کو تقلید کی صورت میں وراثت میں ملے تھے، یہ سب چیزیں اس کے اور طریق سنت نبویہؐ کے درمیان میں حائل ہو گئی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بعض اوقات اس طریق علم کی مخالفت بھی کرتا رہا ہے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اس نے چونکہ فلاسفہ اور متکلمین کے علوم حاصل کئے تھے اور اس طرح غیر محسوس طریقے پر اس کے عقائد پر بھی ان کے اثرات مرتب ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ غزالی پر اتباع رسالت کا معاملہ واضح نہ ہو سکا اور وہ اس معاملے میں پردے میں رہا۔ حالانکہ اس کا یہ موقف علم پر مبنی نہ تھا بلکہ فلسفہ اور علم الکلام کے عقائد کا مرہون منت تھا۔ چنانچہ سلف صالحین کا قول ہے "العلم بالکلام ھو الجھل" یعنی علم

الکلام پر جو علم مبنی ہو وہ جہالت پر دال ہے۔ اور جس طرح ابو یوسف نے فرمایا: "مــن طــلــب العلم بالکلام تزندق"۔ یعنی جو کوئی بھی علم الکلام سے علم حاصل کرنا چاہے وہ زندقہ کا شکار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ایک ایسا طبقہ سامنے آیا ہے جو غزالی کی فضیلت اور دیانت کا معتقد تھا۔ وہ غزالیؒ کی ان کتابوں کو غزالی کی طرف نسبت کرنے سے منع کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ مشہور فقیہ ابو محمد عبدالسلام (یعنی عزالدین ولقب سلطان العلماء)، نے لکھا ہے کہ "بــدایة الهــدایة" غزالی کی تصنیف نہیں تھی۔ اور یہ اعلان کیا کہ یہ کتاب غزالیؒ کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ اسی طرح سے غزالیؒ کی دوسری کتاب "المضنون به علی غیر اهله" کے بارے میں علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ غزالی نے نہیں لکھی ہے۔ مگر جیسا کہ جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ سب کتابیں غزالی نے لکھی ہیں اور ان میں موجود مضامین بھی انہیں کے تحریر کردہ ہیں کیونکہ وہ غزالی کے کلام کو اچھی طرح پہچان سکتے ہیں اور اس کی مشابہت کو بھی خوب جانتے ہیں۔ دراصل معاملہ یہ تھا کہ وہ اور اس جیسے لوگ مضطرب اور پریشان تھے اور کسی ایک بات پر ان کو ثبات حاصل نہ تھا۔ کیونکہ گو ان لوگوں کے پاس ذہانت اور طلب کا وافر سامان موجود تھا جس کی وجہ سے وہ خاصۃ الخلق یعنی صوفیاء کے طریقے کی طرف سفر کر سکتے تھے مگر ان کے لئے اس خاص راستے کی طرف جانے کا راستہ نہیں تھا جو اس امت کے خاصان کا راستہ تھا، جس کو ان پاکبازوں نے رسول اللہؐ سے علم اور ایمان کی صورت میں حاصل کیا تھا۔ یہ لوگ ہی دراصل ایمان اور قرآن کے حقائق کے حاملین اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے فہم اور علم کے علاوہ رسول اللہؐ کی حدیث کے فہم و علم کے وارث تھے۔ اسی طرح سے صرف یہی حضرات اپنے اعمال اور احوال میں اس علم کے پیروکار بھی تھے، جس کو رسالت مآبؐ لے کر تشریف لائے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ ابو عمرو بن الصلاح (ابو عمر عثمان بن عبدالرحمٰن بن عثمان بھی الدین بن الصلاح الشہر زوری مفتی الشام ومحدثہا توفی سنہ ۶۴۳ھ، ذکر فی البدایہ، ص ۱۶۸، جلد ۳) کا یہ قول میں نے خود ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے:

"ابو حامد (یعنی امام غزالی) کے بارے میں لوگوں نے بہت کچھ کہا ہے اور انہوں نے بھی بہت کچھ کہا ہے۔ البتہ جہاں تک ان کی ان کتابوں کا تعلق ہے، جن میں حق کی مخالفت پائی جاتی ہے۔ اس طرف التفات نہیں کرنا

چاہئے۔ آدمی کو اس سلسلے میں خاموشی اختیار کرنی چاہئے اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنا چاہئے...''۔ یہ بات ابن صلاح نے کسی بری نیت سے نہیں کہی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کی غلطیوں کو معاف کرنے والا ہے اور ہر گناہ گار کے گناہ کو معاف کرنے والا ہے''۔

کثرت احسان، علم صحیح اور عمل صالح کے باوصف امام غزالیؒ فلسفہ کی طرح میلان رکھتے تھے مگر اس کو انہوں نے تصوف اور اسلامی عبادات کے قالب میں سامنے لایا ہے۔ یہی سبب ہے کہ بہت سارے مسلمان علماء نے ان کا رد لکھا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے خاص شاگرد اور ساتھی ابو بکر ابن عربی نے لکھا ہے: ''شیخنا ابو حامد دخل فی بطن الفلاسفة، ثم اراد ان یخرج منھم فما قدر''۔ یعنی ہمارے شیخ ابو حامد فلاسفہ کے پیٹ میں داخل ہو گئے۔ اور اس کے بعد واپس نکلنا چاہا مگر وہاں سے باہر نہ آ سکے''۔ بعض لوگوں نے ان کی کتابوں سے باطنی مذہب کے لوگوں کے خیالات کی تصدیق کرنے والے اقوال کی نشاندہی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابو عبداللہ المازری نے اپنی کتاب میں غزالی کا رد لکھا ہے۔ ابو بکر الطرطوشی، ابوالحسن مرغینانی وغیرہ حضرات نے اس کی کتابوں خاص طور مشکاۃ الانوار کا رد لکھا ہے۔ اسی طرح سے شیخ ابوالبیان، شیخ ابو عمرو بن الصلاح وغیرہم نے ان کی تردید کی ہے اور ان کی کتابوں سے احتراز کرنے کی دعوت دی ہے۔ (۶۹)

دراصل حدیث نبویؐ کا مطالعہ اسلام میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ کیونکہ جس قدر آدمی قرآن کے بعد احادیث صحیحہ سے تعلق پیدا کرے گا وہ اسلام کے اسی قدر قریب ہونے کا شرف بھی حاصل کرے گا کیونکہ حدیث کی حیثیت اسلام میں صرف علم کی نہیں بلکہ دین کی بھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہؐ کے ذریعے سے قرآن پاک کی تشریح وتبین کا کام انجام دلوایا۔ چونکہ مسلمانوں کی ابتدائی تین صدیاں قرآن پاک کے بعد احادیث مقدسہ کی جلو میں پروان چڑھی تھیں، اس لئے ان کے خیر القرون ہونے کا اعلان لسان نبوتؐ سے ہوا تھا۔ اگرچہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا تعلق حدیث کے ساتھ اس انہماک اور تعلق کا تھا کہ آپ کو محدث دہلویؒ کے مبارک نام سے جانا جاتا ہے۔ مگر غزالیؒ نے اگرچہ اپنی کتابوں میں ہزاروں احادیث کو جمع کیا ہے مگر وہ

حدیث کے فن سے کماحقہ، آخری عمر میں ہی واقف ہونے کی دھن میں لگ گئے۔ زین الدین عراقیؒ اور حافظ ذہبی نے ان کی کتب خاص طور پر احیاء العلوم کی احادیث میں سے بہت سی احادیث کے بارے میں فرمایا ہے: لم اجدله سنداً. مگر اس کے باوجود اخیر سالوں میں عمر کے امام صاحب حدیث کے مطالعے میں مصروف ہو گئے۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"والمقصور دهنا ان اكتب ابى حامد وان كان يذكر فيها كثيراً من كلامهم الباطل، اما بعبارتهم او بعبارة اخرى، فهو فى آخر امره يبالغ فى ذمهم و يُبين ان طريقهم فضمنه من الجهل والكفر مايوجب ذمها، و فسادها اعظم من طريقه المتكلمين، ومات وهو مشتغل به "البخارى و مسلم". (۷۰)

چونکہ علماء حدیث، ذاتی تجربات کی جگہ پر قرآن وسنت کے زیادہ پابند رہنا چاہتے ہیں اس لئے وہ اگر کسی صوفی کے خیالات کو اس کے کشف کی روشنی میں جو سامنے آتے ہوں، اہل سنت کے نظریات کے خلاف سمجھتے ہوں، تو وہ اس کو "صوفی کے سکر کی پیداوار" سمجھتے ہیں اور وہاں وہ علماء کے موقف کو ہی درست سمجھتے ہیں: جیسے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے لکھا ہے:

"حق بجانب علماء اہل حق است شکر اللہ سعیہم زیرا کہ علوم علماء مقتبس از مشکوٰۃ نبوت است علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کہ موید است بوحی قطعی، و مقتدائے معارف این صوفیہ کشف والہام است کہ خطا را بوے راہ است و مصداق صحت کشف والہام مطابقت است با علوم علماء اہل سنت، اگر سر موئے مخالفت است از دائرہ صواب بیرون است"۔ (۷۱)

یعنی "حق علماء حق کے ساتھ ہے۔ چونکہ ان کا علم مشکوٰۃ نبوت سے حاصل شدہ ہے اور نبوت کو وحی الٰہی کی تائید حاصل ہے جب کہ صوفیہ کے علوم و معارف کا ذریعہ کشف والہام ہے جس میں غلطی کا امکان ہے۔ اس لئے کشف والہام کے صحیح ہونے کا معیار ان کا علمائے اہلسنت کے علوم سے مطابق ہونا ہے۔ اگر

اس کے خلاف ذرا سی بھی بات ہوئی تو وہ دائرہ صواب سے خارج ہوگی"۔
اس سے بڑھ کر شیخ مجددؒ نے ایک اور بات لکھی ہے:

وہ یہ کہ "علوم لدنیہ کی درستی کا معیار یہ ہے کہ وہ علوم شریعت کے مطابق ہوں۔ اگر ان میں معمولی سا بھی تجاوز پایا جائے تو سکر کا نتیجہ سمجھا جائے گا۔ حق صرف وہ ہے جسے علمائے اہل سنت والجماعہ نے حق تسلیم کرلیا ہے۔ اس کے علاوہ سب الحاد و زندقہ ہے اور سکر و غلبہ حال کا نتیجہ ہے"۔

"علامت درستی علوم لدنیہ مطابقت است بہ صریح علوم شرعیہ اگر سوموتجاوز است از سکر است، الحق ماحققه العلماء من اهل السنة والجماعه و ماسوی ذلك اما زندقه والحاد او سکر وقت و غلبه حال" (۷۲)

اگرچہ شاہ صاحب چوتھی صدی ہجری کے بعد اجتہاد مطلق کے دروازے کو مسدود مانتے ہیں لیکن خود شاہ صاحب نے "الانصاف" (ص ٦٦) میں لکھا ہے:

"ایک سے زیادہ ائمہ نے اس کی تشریح کی ہے کہ علامہ جلال الدین سیوطی، امام الحرمین اور امام غزالی اجتہاد مطلق کے مرتبے کو پہنچے ہوئے تھے"۔ (۷۳)

حواشی

(۱) ڈیبور، تاریخ فلسفہ اسلام، ترجمہ ڈاکٹر سید عابد حسین انجمن ترقی اردو دہلی ص ۱۲۴
(۲) المنقذ من الضلال مجموعہ رسائل جلد حصہ دوم، ص ۲۳۱
(۳) ڈیبور، ص ۱۱۸
(۴) ایضاً ص ۱۲۲
(۵) ایضاً ص ۱۲۲

(۶) ڈاکٹر سید حسن قادری شور، امام غزالی کا فلسفہ مذہب و اخلاق ندوہ المصنفین اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۱۹۷۷، ص ۹۹

(۷) ایضاص ۱۱۷

(۸) احیاء علوم الدین، حصہ سوم، ص ۶۰

(۹) ایضا، ص ۲۶۱

(۱۰) غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، ص ۲۶۱، مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۹۴، مطالعہ تصوف

(۱۱) ص ۱۱۵، تاریخ فلسفہ اسلام، ترجمہ ڈاکٹر سید عابد حسین

(۱۲) مولانا سید سلیمان ندویؒ، سیرت النبیؐ، جلد چہارم، منصب نبوتؐ، مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۸۶ء، ص ۴

(۱۳) مرزا محمد ہادی، تاریخ فلسفہ اسلام فلسفہ کا نتیجہ مشرق میں غزالی، ص ۱۲۴، ترجمہ مرزا محمد ہادی

(۱۴) عبدالحمید صدیقی(History of Muslim Philosophy, Vol-II, ،Delhi P-1559, New

(۱۵) ڈیبور حوالہ سابق ص ۱۱۶

(۱۶) ڈاکٹر سید حسین قادری شور، امام غزالی کا فلسفہ مذہب و اخلاق ندوہ المصنفین اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۱۹۷۷، ص ۱۶۳

(۱۷) ڈاکٹر ذکی مبارک الاخلاق عند الغزالی، ص ۳۷۷، مطبع الرحمانیہ، مصر ۱۹۲۴

(۱۸) Rahimuddin Kemal and Salim Kemal, Shah Wali Allah, chapter 37, in History of Islamic Philosophy, Part-I, edited by Syyed Hossein Nasr and Oliver Leaman, Routledae London and New York, 1996, P-665

(۱۸) سلیمان ندویؒ، حوالہ سابقہ، ص ۷

(۲۰) حجۃ اللہ البالغہ حوالہ سابقہ، حصہ اوّل ص ۲۰۷،

(۲۱) ایضا ص ۲۰۹

(۲۲) سلیمان ندوی، ص ۳۳

(۲۳) Mahmood Ahmad Ghazi,Politicle thought of Shah Wali Allah,Adam publishers and distributors, New Delhi, 2004 pp.xiii

(۲۴) ایضا ص pp.xiii

(۲۵) الفرقان بریلی، شاہ ولی اللہ نمبر، مرتبہ محمد منظور نعمانی، ۱۹۴۱، ص ۹۱، مضمون منصب تجدید کی حقیقت اور تاریخ تجدید میں شاہ ولی اللہ کا مقام

(۲۶) مولانا مودودیؒ، حوالہ سابقہ، ص ۶۹

(۲۷) مولانا مودودی، ص ۶۹

(۲۸) عبیداللہ فہد فلاحی، تاریخ دعوت و جہاد برصغیر کے تناظر میں، ہندوستان پبلیکیشنز دہلی ۱۹۹۶، ص ۱۲۹-۱۳۲

(۲۹) الفرقان بریلی، شاہ ولی اللہ نمبر ص ۷۱،

(۳۰) عبیداللہ فہد، ص ۱۳۱

(۳۱) Mahmood Ahmad Ghazi, Islamic Renaissance in South Asia, (1707-1867). The role of Shah Wali Allah and his successors, Adam publishers and distributors, New Delhi, 2004, P-86

(۳۲) Ghazzali Muhammad, P-37

(۳۳) حجۃ اللہ البالغہ اردو ترجمہ عبدالحق حقانی، کتب خانہ دیوبند، ص ۴۴، ۱۳۰۲ھ

(۳۴) ایضا، ص ۴۸-۴۹، حوالہ سابقہ

(۳۵) ایضا ص ۴۹

(۳۶) پروفیسر محمد اجتباء ندوی، تاریخ کر اسلامی، المرکز العلمی، نئی دہلی ۱۹۹۸، ص ۱۳۶

(۳۷) مولانا شبلی، علم الکلام جلد اول، ص ۸۷

(۳۸) تذکرہ، مرتب، مالک رام، ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی، صفحات ۲۶۷-۲۶۸

(۳۹) حجۃ اللہ البالغہ ص ۳۸، حوالہ سابقہ

(۴۰) Mahmood Ahmad Ghazali, P-163

(۴۱) مولانا محمد حنیف ندوی، تعلیمات غزالی، اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی، ۱۹۸۹ء، ص ۲

(۴۲) مولانا عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام، حصہ اول، مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۹۵۳، صفحات ۳۹۷-۳۹۸

(۴۳) محمد حنیف ندوی، صفحات ۸۴-۸۵

(۴۴) عبدالسلام ندوی حوالہ سابقہ صفحات ۴۰۴-۴۰۵

(۴۵) مولانا محمد حنیف ندوی، حوالہ سابقہ، ص ۸۵۸

(۴۶) محمود احمد غازی ص xxxv

(۴۷) الغزالی، ص ۱۲

(۴۸) (Marcia K. Hermansen,Translators' Introduction, the Conclusive Argument from God, vol-I, Hermansen) P : xvi-xvii , Islamic Research Institute, International Islamic University, Islamabad, 2003, PP : xvi-xvii

(۴۹) حنیف ندوی، حوالہ سابقہ، ص ۸۷-۸۸

(۵۰) حجۃ اللہ البالغہ، ص ۲۱، جلد دوم

(۵۱) حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۲۶-۱۲۷

(۵۲) حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۷۹

(۵۳) مجموعہ رسائل امام غزالی، جلد سوم، فیصل پبلی کیشنز، دیوبند، ۲۰۰۷، ص ۴۱۷

(۵۴) حجۃ اللہ البالغہ، ص ۸۳

(۵۵) انظر فی بعض مسائل الامام الہمام ابو حامد محمد الغزالی من العبد المفتقر الی اللہ

الصمد، مطبع فیض عام، ص ۱۱

(۵۶) مجموعہ رسائل امام غزالیؒ، جلد سوم، ص ۵۰۰-۵۰۱

(۵۷) ایضاً ص ۵۰۲

(۵۸) المنظر حوالہ سابقہ، ص ۹

(۶۰) حجۃ اللہ البالغہ صفحات ۶۱-۶۲

(۶۱) ترجمہ سر سید الامام الغزالیؒ واردات قلبہ کما صرح بہ بذاتہ فی کتابہ المسمیٰ بالمنقذ من الضلال، ص ۲، المنظر، حوالہ سابقہ

(۶۲) مجموعہ رسائل امام غزالیؒ (کلام فلسفہ)، جلد سوم، محمد نوید صدیقی، فیصل پبلی کیشنز، دیوبند، ۲۰۰۷، ص ۱۷۹-۱۸۰

(۶۳) حجۃ اللہ البالغہ، ص ۱۱۴، حوالہ سابقہ

(۶۴) رسائل غزالیؒ حوالہ سابقہ حواشی نمبر ۱، صفحات ۱۷۹-۱۸۰

(۶۵) نزہۃ الخواطر، جلد ششم، ص ۴۰۲

(۶۶) الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، ص ۲۰۷-۲۰۸

(۶۷) الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، ص ۳۴۱

(۶۸)Yohanan Friedman, Shaykh Ahmad Sirhindi, An Out line of His Thought and a Study of his image in the eyes of Posterity, MC gill University, Institute of Islamic studies, MC gill-Queens' University press Mornteal and London, 1971, pp-109-111)

(۶۹) شیخ الاسلام ابن تیمیہ، نقض المنطق، تصحیح محمد حامد الفقی مکتبہ السنۃ المحمدیہ قاہرہ، ۱۹۵۱، صفحات ۵۲-۵۶

(۷۰) کتاب الرد علی المنطقیین، بمبئی، محمد علی روڈ، ص ۱۹۷

(۷۱) مکتوبات شیخ احمد سرہندی، تحقیق نور محمد لاہور، ۱۹۶۴، جلد سوم، مکتوب...
(۷۲) مکتوبات جلد ا، مکتوب نمبر ۳۱، ص ۱۰۰، بحوالہ ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری، تصوف اور شریعت، مترجم مشتاق تجاروی، مرکزی مکتبہ دہلی، ۲۰۰۴، ص ۱۰۱-۱۰۲
(۷۳) ضیاء الحسن فاروقی مشیر الحق، فکر اسلامی کی تشکیل جدید، ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی، حضرت شاہ ولی اللہ کا نظریہ اجتہاد، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، ص ۲۸۴